# قرآن کریم کے چند اردو تراجم

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی

عجمی (غیر عربی) زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ سب سے پہلے فارسی زبان میں کیا گیا۔ علامہ سرخسی کے بیان کے مطابق حضرت سلمان فارسی نے فارس کے باشندوں کے لئے قرآن کریم کی سورۃ الفاتحہ کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ (المبسوط، ج ۱، ص ۳۷) جو یقیناً یہ ایک مبارک کوشش تھی۔ اس کے بعد قرآن کریم کے کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کی گویا کہ ایک تحریک شروع ہوگئی۔ علاّمہ سید شریف جرجانی (متوفی: ۸۱۶ھ) نے تیمور لنگ کا عہد میں قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہی وہ فارسی ترجمہ ہے، جسے بعض ناشرین نے ہندوستان میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے شیخ سعدی شیرازی کا ترجمہ قرار دیا ہے، حالانکہ شیخ سعدی شیرازی نے قرآن کریم کا کوئی ترجمہ کیا ہو، اس کا کسی بھی معتبر ذرائع سے علم نہیں ہوتا۔

ہندوستان میں غالباً سب سے پہلے شہاب الدین ہندی، دولت آبادی نے (متوفی: ۹۴۹ھ) قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ جو یہ شیر شاہ سوری کے استاد تھے۔ اس کے بعد بارہویں صدی ہجری کے مصلح اعظم حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۵۰ھ میں قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا جس کا نام' فتح الرحمان' ہے۔ اسی کے ساتھ ہندوستان میں قرآنی دعوت کا کام منظّم طور پر شروع ہوا۔ اب تک یہاں قرآن کریم کی تعلیم وتدریس کا کام علمی حلقے تک محدود تھا اور وہ بھی برائے نام، عوام کا براہ راست قرآن کریم سے استفادہ کرنا خلاف ادب سمجھا جاتا تھا۔

دعوت قرآن ولی اللّٰہی مشن کا بنیادی حصہ تھا۔ اس لئے شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے دو صاحبزادوں، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر نے قرآن کریم کے اردو میں ترجمے کیے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہی اردو زبان آگے چل کر فارسی کی جگہ ہندوستان میں لکھنے پڑھنے کی زبان بننے والی تھی۔

شاہ ولی اللہ ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء میں فوت ہوئے۔ شاہ صاحب کی وفات کے ۲۹ سال بعد شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی نے موضح قرآن کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا، جسے انہوں نے ہندی کا نام دیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی:

''اس میں ریختہ زبان نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف، تاعوام کو بے تکلف دریافت ہو''

(مقدمہ موضع قرآن)

یہ شاہ عالم ثانی کا دور تھا موضح قرآن تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۰۵ اعداد نکلتے ہیں۔اس ترجمے کا پہلا ایڈیشن اردو ٹائپ میں ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء میں مطبع احمدی کلکتہ سے چھا۔یہ ایڈیشن سید عبد اللہ لاہوری ثم سواتی نے حضرت سید احمد بریلوی کی معیت میں سفر حج کے دوران نقل کیا تھا۔سید صاحب ،کے بھانجے سید احمد علی صاحب کے پاس موضح قرآن کا مسودہ موجود تھا۔حج سے واپس آ کر مسودے میں کچھ پرانے اردو محاورات کی اصلاح کی گئی اور اس اصلاح میں مولانا عبد الحئ صاحب، داماد شاہ عبد العزیز صاحب، اور ان کے جانشین نوا سے شاہ محمد اسحاق صاحب، کا مشورہ شامل تھا۔

شاہ رفیع الدین صاحب کے تحت اللفظ ترجمے کی صورت یہ ہوئی کہ ان کے شاگرد خاص نجف علی نے اپنے استاد سے درخواست کی کہ آپ مجھے قرآن کریم کا لفظی ترجمہ پڑھائیں۔آپ نے قبول کرلیا، نجف علی اسے قلم بند کرتے رہے اور اپنے استاد کو دکھاتے رہے۔شاہ صاحب اس کی اصلاح کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ تحت اللفظ ترجمہ مکمل ہوگیا اور پھر اسے چھاپ دیا گیا۔

مندرجہ بالا دونوں ترجمے اپنی اپنی جگہ بہت اہم ہیں۔شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ بامحاورہ ہے اور اس میں مراد خداوندی اور وحی الٰہی کی اصلی مراد کو واضح کیا گیا ہے۔اور شاہ رفیع الدین صاحب نے لغوی ترجمہ کیا جس میں محاورہ کی رعایت نہیں ہے۔شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمے کا پہلا ایڈیشن جو تلاش بسیار کے بعد دستیاب ہوا ہے، ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۴۰ء کا ہے۔

بہ اعتبار تحریر یہ دونوں ترجمے ایک ہی وقت میں وجود میں آئے۔زبان کی نوعیت کے لحاظ سے ہر ترجمہ اپنی، جگہ ضروری اور اہم نظر آتا ہے۔ بابائے اُردو ڈاکٹر عبد الحق کو تعجب ہے کہ شاہ عبد القادر صاحب کے بامحاورہ ترجمے کے بعد شاہ رفیع الدین صاحب کے لفظی ترجمے کی ضرورت چند سال کے اندر ہی کیوں پیش آئی؟ لیکن نوعیت ترجمے پر نظر رکھنے والوں کے نزدیک یہ تعجب بے محل ہے۔شاہ رفیع الدین صاحب کی وفات (۱۲۳۲ھ) شاہ عبد القادر صاحب کی وفات (۱۲۳۰ھ) کے دو سال بعد ہوئی۔ولی اللہی تراجم سے بیس سال پہلے شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی نے قرآن کریم کے آخری پارہ کا ترجمہ کیا تھا اور مختصر تفسیر لکھی تھی۔ یہ ترجمہ وتفسیر پہلی مرتبہ ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔انگریز حکومت وقت نے اسے وہابی لٹریچر قرار دے کر ضبط کرلیا تھا، لیکن پھر یہ تفسیر کئی مرتبہ چھپی۔

اُردو نثر کے بالکل ابتدائی دور میں تفسیر مراد یہ کی زبان صاف اور شستہ ہونے کے اعتبار سے واقعی نمونہ اور مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بزرگ مفسر ملک شاہ کے نام سے مشہور ہیں اور سنبھل (مراد آباد) میں آرام فرما ہیں۔

۱۹ ویں صدی کے اوائل ہی میں کمپنی بہادر نے اپنے فوجی جوانوں کو اُردو پڑھانے کیلئے فورٹ ولیم کالج کھولا۔ یہاں نشرواشاعت کا کام بھی بڑے پیمانے پرانجام دیا گیا۔گل کرسٹ کی اس کالج میں مرکزی حیثیت تھی۔گل گرسٹ نے چند ماہر علما کو جمع کیا اور قرآن کریم کا اردوترجمہ شروع کرادیا۔ ان علامیں ایک سید بہادر علی بھی تھے، جو سید عبد اللہ کے والد تھے۔یہ ترجمہ مکمل ہوگیا مگر طباعت سے محروم رہا۔ اس کا مخطوطہ ایشیا ٹک سوسائٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کی زبان ہر لحاظ سے معیاری اور امتیازی شان کی حامل ہے۔

۱۹ ویں صدی کے وسط میں مسلم یونیورسٹی ،علی گڑھ، کے بانی سرسید احمد خاں صاحب نے تہذیب الاخلاق رسالے میں تفسیر قرآن کریم کا سلسلہ شروع کیا جو گیارہ سال میں پندرہ پاروں تک پہنچ کر رک گیا ۔ چوں کہ سرسید احمد نے اس تفسیر میں جمہور علماء کے خیالات سے ہٹ کر معتزلہ کا عقلی راستہ اختیار کیا تھا اس لئے علما نے اس پر سخت ردعمل کا اظہار کیا اور یہ ترجمہ وتفسیر اشاعت عام سے محروم ہوگئی۔سرسید احمد کے اس ترجمے کے بعد اردو کے دو دوسرے ترجمے وجود میں آئے ۔ ایک تفسیر حقانی کی صورت میں مولانا عبد الحق صاحب حقانی نے ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں لکھا اور دوسرا ترجمہ اُردو کے مشہور معمار ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی نے کیا۔ اس کی تاریخ طباعت ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء ہے۔ڈپٹی صاحب کے ترجمے کو بعض عامیانہ اردو محاورات کے استعمال کی وجہ سے حلقۂ علما میں پسند نہیں کیا گیا ،جبکہ تفسیر حقانی کو ہر طبقے میں قبولیت عام نصیب ہوا۔

مولانا فتح محمد جالندھری ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے رفقائے کار میں سے تھے، انہوں نے عامیانہ محاورات کی اصلاح کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی صاحب نے ان کی اصلاحات سے مکمل اتفاق نہیں کیا اور انہوں نے اپنا علاحدہ ترجمہ کیا ، جو بہت سلیس اور صاف ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا۔

۱۹۰۶ء میں مرزا حیرت دہلوی نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا، جو باوجود نہایت سلیس وشستہ ہونے کے مقبول نہ ہوسکا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مرزا صاحب تشیع کے رد میں انتہائی غلو سے

کام لیتے تھے۔ یہ ترجمہ اور مرزا صاحب کی تمام دوسری کتابیں ناپید یا کمیاب ہوگئیں۔

بریلوی جماعت کے قائد مولانا احمد رضاخاں صاحب، نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ اس میں زبان و بیان کی خوبیوں کے مقابلے میں مخصوص عقائد کی ترجمانی کو اہمیت دی گئی ہے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کا ترجمہ بھی اسی ترجمے کے ساتھ ۱۳۳۱ھ میں شائع ہوا، لیکن قبول عام ہونے سے محروم رہا۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے مالٹا کی اسارت کے زمانے میں شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمے کی تسہیل کی اور اسے عام فہم بنانے کی کوشش کی اور موضح فرقان کے نام سے ایک ترجمہ شائع کیا۔ اس کی اشاعت کا سال ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۰ء ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ وتفسیر بیان القرآن ۱۹۱۰ء میں مکمل ہوا۔ اس میں تھانہ بھون کی قصباتی زبان کی جھلک نظر آتی ہے۔

جدید اُردو زبان کی تفسیروں میں مولانا ابو الکلام آزاد کا 'ترجمان القرآن' (مطبوعہ ۱۹۳۱ء) اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی 'تفہیم القرآن' (مطبوعہ ۱۹۱۵) میں اور حال ہی میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کا 'تدبر قرآن' وجود میں آئے یہ تینوں ترجمے دراصل ترجمانیاں اور تاویلی تراجم ہیں۔ انہیں اپنی اپنی تحقیقی نوعیت کے لحاظ سے ان میں ہر ایک کی شان ممتاز ہے۔

مولانا احمد علی صاحب لاہوری کا ترجمہ (۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۴ء) اور مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کا ترجمہ قرآن کریم کشف الرحمٰن (۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء) بھی اپنے اپنے حلقوں میں کافی مقبول ہیں۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا ترجمہ 'تفسیر ثنائی' پہلی جلد ۱۳۱۳ھ اور اسی طرح آخری جلد (۱۳۳۵ھ) اپنے حلقے میں قبول عام کی حامل ہے۔